

مولانا عبید اللہ سندھی

ایک تبصرہ پر تبصرہ

(۷)

مولانا سعید احمد صاحب کبر آبادی ایم اے ریڈر عربی دہلی یونیورسٹی

قرآن مجید کے الفاظ و معانی کے باہمی ربط و تعلق کو کلام الہی کی حیثیت سے عقلی طور پر سمجھنا اور سمجھانا نہایت مشکل کام ہے۔ مولانا سندھی کے بعض الفاظ سے فاضل ناقد کو یہ شبہ ہو گیا ہے کہ مولانا غالباً فقط معانی کو ہی قرآن سمجھتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔
”وہ تو معانی کو ہی قرآن سمجھ گا۔ اس فقرہ سے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں کچھ اور تو

نہیں مراد لیا جا رہا ہے؛ (معارف ص ۱۸۰)

حالانکہ یہ شبہ صحیح نہیں ہے مولانا سندھی ایک سچے اور پکے مسلمان کی طرح قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں کو کلام الہی یقین کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود الفاظ اور معانی میں ہلکوس اور لباس کی جو نسبت ہے اس کا لحاظ رکھتے ہیں اور گویا اس طرح وہ ان علماء کے خلاف احتجاج کرتے ہیں جنہوں نے اپنی توجہ کو زیادہ تر قرآن کے الفاظ پر ہی مرکوز رکھا ہے، یہاں تک کہ قرآن مجید میں قرآن کی کسی سورت کا مثل لانے کی جو تحدی کی گئی ہے تو ان علماء کا اس بارہ میں خیال یہ ہے کہ یہ تحدی نظم قرآن کے اعتبار سے ہی ہے۔ مولانا سندھی کا اس معاملہ میں خیال یہ ہے کہ معانی مقدم ہیں اور الفاظ موخر۔ اس بنا پر تحدی میں بھی زیادہ زور معانی پر ہے۔ اگرچہ قرآن کے الفاظ بھی کلام الہی ہونے کے باعث متحد ہی یہ ہیں۔

ہمارے استاذ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی متحدی و معانی و الفاظ دونوں کی حشیت سے مانتے تھے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ اس قدر پیچیدہ اور نازک مسئلہ ہے کہ میں عقلی طور پر اس پر گفتگو کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ ڈرتا ہوں کہ مبادا قلم سے کوئی ایسی بات نکل جائے جس پر آخرت میں پکڑ ہو، تاہم۔ اپنے مکرم دوست سے درخواست کروں گا کہ وہ اس باب میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تقریر الخیبر الکثیر ص ۳۲ و ۳۳۔ اور پھر صفحہ ۱۰۰۔ اور نہیات الہیہ ص ۸۵ ملاحظہ فرمائیں ممکن ہے کہ اس طرح فکر میں کچھ وسعت پیدا ہو اور مولانا سندھی کے بعض الفاظ سے انھیں جو توحش پیدا ہو گیا ہے وہ کم ہو جائے۔ راقم الحروف نے وحی الہی کی تصنیف کے زمانہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے ان ارشادات کی روشنی میں مہینوں اس پر غور کیا ہے اور خود اچھی طرح اس کو سمجھ کر متعدد بار لکھنے کی کوشش کی مگر جب کبھی اس ارادہ سے قلم اٹھایا دل کے اندر سے کسی نے فوراً کہا۔

تو کارزمیں رانکو ساختی کہ با آسمان نیز پرداختی

اور میں نے قلم وہیں رکھ دیا۔ خود حضرت شاہ صاحبؒ بھی سب کچھ لکھنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اعلم بغیب السموات والارض (الخیبر الکثیر ص ۱۰۰)

مولانا سندھی کا کمال یہ ہے کہ چونکہ حضرت شاہ صاحبؒ ان کے جسم و جان پر چلے ہوئے ہیں اس لئے وہ ان مسائل پر بھی غور کرتے ہیں اور پھر اپنے یقین اور وثوق کی بنا پر جو سمجھتے ہیں وہ بے جھجک کہہ بھی گزرتے ہیں۔

دین الہی | خلق قرآن کے علاوہ جس پر زیادہ لے دے کی جاتی ہے وہ مولانا کا خیال دین الہی سے متعلق ہے۔ قبل اس کے کہ اس پر گفتگو کی جائے یہ عرض کرنا مناسب ہے کہ جب مولانا کا ایک نام تمام سامقہ جوبعد میں شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک کے نام سے چھپ کر ہمارے پاس بغرض تبصرہ آیا تو خود اس خاکسار نے برہان بابت جنوری ۱۹۸۵ء میں اس پر تبصرہ کرتے

ہوئے دین الہی سے متعلق حسب ذیل نقطوں میں اظہار خیال کیا تھا۔

لیکن کتاب کے صفحہ ۱۰۵ پر مولوی نور الحق کا یہ جملہ ہماری رائے میں جو کام اکبر نے شروع کیا وہ اساً صیح تھا۔ دیکھ کر ہم کو نہ صرف تعجب بلکہ حد درجہ افسوس بھی ہوا معلوم نہیں اکبر کے اس کام میں مشرکہ عورتوں سے خود اپنی اور شہزادوں کی شادی کرنا بھی داخل ہے یا نہیں۔ دین الہی سے متعلق ملا عبدالقادر بریلوی نے اپنی تاریخ میں جو کچھ لکھا ہے اگر اس سے صرف نظر کر لیا جائے تب بھی خود حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات اور ابوالفضل کے رفات سے اس دین کے متعلق جو معلوم حاصل ہوتی ہیں ان کے پیش نظر اکبر کے فعل کو اساً صیح کہنا تو کجا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اکبر مسلمان بھی تھا یا نہیں۔ اگر اس جملہ کا انتساب مولانا (سندھی) کی طرف صیح ہے تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ ایک انتہائی مخلص اور دہین و طبع ابو مجاہد ہونے کے باوجود مولانا کی چند اسی قسم کی ماوراء عقل باتیں ہیں جنہوں نے آج تک مولانا کو کسی جماعت کا قائد نہیں بننے دیا اور مسلمانان ہند اجتماعی حیثیت سے مولانا کے شیع افکار سے اپنے ظلمت خانہ قلب و دماغ کو روشن کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے (برہان جنوری سلسلہ)

۱۔ مولانا سندھی برہان میں اس تبصرہ کے چھپنے کے وقت سندھ میں تشریف رکھتے تھے کچھ دنوں بعد جب وہ دہلی آئے اور محکو شرف ملاقات حاصل ہوا تو مولانا نے مجھے دیکھتے ہی سینہ سے لٹایا اور فرمایا کہ برہان میں تمہارا تبصرہ پڑھ کر بہت باری وقعت میری نظر میں دو چند ہو گئی کیونکہ تم کو مجھ سے جو اختلاف محبت ہے اس کا محکو پورا علم اور احساس ہے۔ اس کے باوجود تم کو میرے جس خیال سے اختلاف تھا اس کو تم نے برملا ظاہر کر دیا۔ یہ تمہاری صاف گوئی اور صاف باطنی کی دلیل ہے۔

۲۔ اے افسوس! کہ اب ایسے عالی حوصلہ شفیق بزرگ کہیں نظر نہیں آتے۔

ولست عشیات انھی بواجع علیک ولكن خلّ عینک تدماً معاً

اس معاملہ میں اکبر کی طرف سے میرے دل میں جو شدید نفرت اور غم و غصہ ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر لکھیے)

وہ بات تو فیضانِ آئی گئی ہو گئی؛ لیکن یہ خلش ہمیشہ رہی کہ مولانا عبید اللہ سندھی ایسا متحجر عالمِ حرب کا تعلق نہیں تھے۔ روزِ روشن کی طرح معلوم تھا اور جو حضرت محمد دلف ثانیؐ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ دونوں کو اپنا امام بھی مانتا تھا وہ کیونکر اکبر کا اس معاملہ میں کسی حیثیت سے بھی مداح ہو سکتا ہے۔

اکبر کے دینِ الہی اور اس عہد کے خاص حالات کے متعلق ابھی حال میں جو تحقیقات انگریزی زبان میں ہوئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اکبر آخر عمر میں تائب ہو گیا تھا اور اس نے مرتے وقت سورہ یس بھی سنی تھی۔ پھر خاص دینِ الہی کی نسبت بھی جیسا کہ مشرکینِ لال چودہری نے اپنی کتاب میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دینِ الہی دراصل اسلام کی ہی ایک 'اجتہادی شکل' تھی۔

پروفیسر سری رام شرمانے بھی اپنی کتاب 'The Religious policy of the great Mughals' میں اکبر کو مسلمان ثابت کیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ سب صحیح ہو اور اکبر واقعی آخر میں اپنی لغو اور مضحکہ انگیز حرکات سے تائب ہو گیا ہو، اور یہ بھی درست ہو کہ جیسا کہ اس نے عبداللہ خاں اوزبک والی توران کو ایک خط میں لکھا ہے، 'اس نے خدائی کا دعویٰ نہ کیا ہو، لیکن ان سب باتوں کے باوجود دینِ الہی کے متعلق کوئی صفائی پیش نہیں کی جاسکتی اور اس کا جو یہودی مجروح عن الصورة الجسمیہ ہمارے سامنے آتا ہے اسے کسی حیثیت سے بھی اسلام سے قرین نہیں کہا جاسکتا۔ ان وجوہ کی بنا پر دینِ الہی سے متعلق مولانا سندھی کا ارشادِ برابر دل میں خار

د بغیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ گذشتہ سال دہلی کے ایک کالج میں ایک پبلک جلسہ تھا۔ میں اس میں ایک تاریخی موضوع پر تقریر کرنے والا تھا۔ مجھے پہلے خواجہ حسن نظامی کی تقریر ہوئی، اور اس میں انھوں نے کہا کہ اکبر اور دارا شکوہ تو اورنگ زیب عالمگیر سے بھی زیادہ بکے مسلمان صوفی تھے۔ میں یہ سن کر غصہ کو ضبط نہ کر سکا اور کارکنانِ جلسہ سے صاف کہہ دیا کہ جس جلسہ میں اس قسم کی ہمل باتیں کہی جائیں میں اس میں کوئی تقریر نہیں کر سکتا۔ اس پر مجمع میں سخت اضطراب پیدا ہو گیا۔ کارکنوں نے کھلے لفظوں میں معذرت کی اور سخت افسوس کا اظہار کیا تاہم میں نے تقریر کی۔

بنکر کھٹکتا رہا اور میں غور کرتا رہا کہ مولانا کے تخیل کا پس منظر سمجھ سکوں۔ اس راہ میں سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ دین الہی سے متعلق تاریخی طور پر مجھکو جو کچھ معلوم تھا میں اس میں اور مولانا کے ارشاد میں تطبیق کی کوشش کرتا تھا اور اس میں ناکامی ہوتی تھی۔ اب مولانا کے افکار کا یہ مجموعہ نظر سے گزرا اور اطمینان سے اس پر غور کرنے کا موقع ملا تو مولانا کا لفظ خیال واضح ہوا جسے میں ذیل میں بیان کرتا ہوں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اور علوم کی طرح مولانا کا تاریخ کا مطالعہ بھی کافی وسیع اور سہ گیر ہے لیکن میرا اپنا ذاتی خیال یہ ہے کہ مولانا تاریخ کا مطالعہ ایک مورخ کی حیثیت سے نہیں کرتے۔ ہر چیز کے متعلق ان کا ایک مخصوص مرتب اور منظم فکر ہے اور وہ اس فکر کی روشنی میں ہی تاریخ کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔ پھر یہ جو چیزیں ان کو اس فکر کے لئے مددگار اور موید نظر آتی ہیں ان کو چن لیتے ہیں اور ان کو اپنے فکر کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ گویا اس طرح مولانا تاریخ سے ایک خادم یا مددگار کا کام لیتے ہیں۔ اسے مقصود بالذات سمجھ کر فنی اصول و قواعد کا زیادہ لحاظ نہیں رکھتے۔ رہا خود ان کا بنیادی فکر تو اس کو وہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصنیفات و ارشادات پر قائم کرتے ہیں۔

چنانچہ دین الہی کے معاملہ میں بھی ایسا ہی ہوا ہے حضرت شاہ ولی اللہ سے انھوں نے وحدت الوجود اور وحدت ادیان کا تخیل لیا۔ اور اس کے بعد انھوں نے ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالی تو انھیں یہ محسوس ہوا ہو گا کہ ہندوستان میں اگر مسلمان بادشاہوں کو یہاں کے لوگوں کے اختلاف مذہب اور اس مذہب میں ان کے تشدد اور سخت تنگ نظری کے باعث ملکی انتظام و انصرام میں سخت دشواریاں پیش آتی تھیں۔ اگر اپنی لاعلمی و نادانی اور مشیران کا رکی بے راہ روی کی وجہ سے جس عظیم گمراہی کا شکار ہو گیا اس سے بہت پہلے قریب تھا کہ دوسرے مسلمان بادشاہ بھی شکار ہو جاتے۔ چنانچہ ضیاء الدین برنی کا سلطان علاء الدین غوری کے متعلق بیان ہے کہ

سلطان علاء الدین خلجی بادشاہ ہے بود سلطان علاء الدین خلجی ایک بادشاہ تھا
 کہ تجہ از علم نہ داشت و با علما اور اوقے جو یہ علم کی کچھ خبر رکھتا تھا اور نہ علما کے
 نشست و قیامت نمبرہ است و چون ساتھ اس کا اٹھنا بیٹھنا تھا۔ وہ جب بادشاہ
 در پادشاہی رسید در دل از بچہ نیش نقش بستہ ہوا تو اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ
 کہ ملک داری و جہاں بانی علیحدہ کارے ملک داری اور جہاں بانی ایک الگ کام
 است و روایت و احکام شریعت علیحدہ ہے اور شریعت کے احکام اور روایت
 امریت و احکام بادشاہی بہ بادشاہ ایک جدا گانہ امر ہے۔ بادشاہی کے معاملات
 متعلق است و احکام شریعت بروایت بادشاہ سے متعلق ہیں اور شریعت کے احکام
 قاضیاں و مفتیل و مفضض است و بر حکم قاضیوں اور مفتیوں کے سپرد ہیں۔ اس
 اعتقاد مذکور ہرچہ در کار ملک داری اور اعتقاد کی بنا پر ملک داری کے معاملات میں
 فراہم آمدے و صلاح ملک دران دیکے اس کی جو رائے ہوتی تھی اور جس میں وہ ملک
 آن کار خواہ شروع و خواہ نام شروع کی بھلائی دیکھتا تھا وہ خواہ شرعاً جائز ہو یا
 بکروے و ہرگز در امور جہاں داری خود ناجائز بہ حال اسے گزرتا تھا اور جہاں داری
 مسئلہ و روایت نہ پر سیدے کے معاملات میں کبھی وہ کوئی مسئلہ اور روایت

لے نہیں پوچھتا تھا۔

وہ تو خدا کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے قاضی مغیث کو جنہوں نے افضل
 الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائز پر عمل کرتے ہوئے علاء الدین خلجی کو اس گمراہی پر پرہلا
 ٹوکا اور اس طرح ایک اسلامی سلطنت کو تباہ ہونے سے بچا لیا۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اگر
 اس کے مشیر ابن کار بھی ابو الفضل و قاضی اور اس کے مذہبی رہنما حاجی ابراہیم سرسندی، قاضی خا
 بد خانی اور شیخ امان پانی تہی جیسے لوگ ہوتے تو کون کہہ سکتا ہے کہ سلطان علاء الدین خلجی کا

لے تاریخ فیروز شاہی ص ۳۸۸۔

یہ جذبہ انانیت مذہب اور تصوف کا غلاف اور طے لیتا تو دین الہی جیسے کسی مضحکہ انگیز اور نہایت ملعون و نامعقول مشرب کی ایجاد کا سبب نہ بنتا۔

جہاں تک ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت و سلطنت کی توسیع اس کا استحکام اور دبیدہ و جلال کا تعلق ہے سلطان علاء الدین خلجی اور اکبر دونوں ایک ہی ترازو کے دو پلڑے نظر آتے ہیں لیکن اول الذکر علما رحمت کی جرأتِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی بدولت اس افسوسناک گمراہی سے بچ گیا جس کا شکار ہمایوں ایسے فرشتہ فطرت باپ کا بیٹا اکبر ہوا جو اگرچہ بار بار خطوط میں عقل کو نور خداوندی کہتا ہے مگر اس کے باوجود زعفرانی اور لال کپڑے پہن کر اور اپنے آپ کو مرشدِ روحانی و جمالی کہلا کر اپنی بے عقلی کا نہایت افسوسناک مظاہرہ کرتا ہے اور ایک عالم کو اپنے اوپر پہننے کی دعوت دیتا ہے۔

زشتِ روی سے تری آئینہ بر سو اتیرا

بعض لوگ علاء الدین خلجی کی نسبت بھی یہ رائے رکھتے ہیں کہ اکبر کی طرح وہ بھی ملک انی اور چانداری میں مشروع و نامشروع کا لحاظ نہیں رکھتا تھا اور اسی بنا پر اس کی حکومت کو جاہ و جلال نصیب ہوا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اکبر پر خودداری اور خود سری کا ایسا بھوت سوار تھا کہ اس کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا تھا۔ چنانچہ قطب الدین خاں کو کہ اور شہنشاہاں اسے اس کی ناشائستہ حرکتوں اور خام خیالیوں پر ٹوکتے ہیں تو وہ ان دونوں کو حیلہ بہانہ سے کام لیکر مطورہ عدم میں دفن کر دیتا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف فتوحاتِ فیروز شاہ میں قاضی مغیث اور علاء الدین خلجی کا مفصل مکالمہ اور اس کے علاوہ دوسرے علما سے اس کی بات چیت پڑھے تو صاف معلوم ہوگا کہ یہ علما کس جرأت اور بیباکی سے گفتگو کرتے ہیں یہاں تک کہ قاضی مغیث ایک دن بادشاہ سے گفتگو کرنے آئے تو مرنے کی پوری تیاریاں کر کے آئے تھے۔ مگر والوں سے رخصت ہوئے اور صیتیں وغیرہ جو کچھ کرنی تھیں وہ بھی کرتے آئے تھے، لیکن اس کے باوجود بادشاہ صبر و تحمل سے ان کی گفتگو سناتا ہے اور بیٹائی پر غیظ و غضب